مرتب ریاض مجید

بسم اللہ الرحمن الرحیم
زنداں
میں ایک شام
ریاض مجید
(مرتب)

زیرِ اہتمام

ادیبوں کا اشاعتی ادارہ

ڈی / ۴۸۰ پیپلز کالونی، فیصل آباد

رفحان میں ایک شام

مرتب ـــــــــ ریاض مجید

سلسلہ مطبوعات
۱۶

تصاویر : اعجاز عزیز (برائٹ فوٹوز۔ فیصل آباد)

پروف : ـــــــ ملک اکرام محی الدین

کتابت : ـــــــ احسان الحق

تزئین : ـــــــ راجی

تاریخ اشاعت : ـــــــ ۷ دسمبر ۱۹۷۸ء

مطبع : ـــــــ لائلپور نفیس پرنٹنگ پریس فیصل آباد

انتساب

۱۹۵۳ء
―――
۱۹۷۸ء

رفحان کے ہنزوروں کے نام

ترتیب

پیش لفظ

رفحان میٹا پروڈکٹس کمپنی لمیٹڈ فیصل آباد کے پچیس سالہ جشن تقریبات کے سلسلے میں منعقد ہونے والے "کل پاکستان مشاعرہ" میں پڑھے جانے والے کلام کا انتخاب ہے۔

رفحان گزشتہ پچیس سال سے اپنے مخصوص میدان میں ترقی کے جو مرحلے طے کر رہا ہے وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ ہم نے نہ صرف اپنے معیار کو سال بہ سال بہتر بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کے ساتھ اپنی مصنوعات کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی سعی بھی کی ہے۔

رفحان میٹا ــــــ کے پچیس سالہ جشنِ سیمیں کی تقریبات دراصل رفحان کی روز افزوں ترقی پر احساس اطمینان اور تشکر ہی کے اظہار کے مختلف مظاہر تھے اس ضمن میں جہاں انفرادی طور پر اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا وہاں مل بیٹھنے اور اجتماعی مسرت کے حصول کے لیے بھی بعض پروگرام ترتیب دیئے گئے یہ مشاعرہ بھی اسی جشن سیمیں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مشاعرہ کمیٹی کے ارکان نے پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے شاعروں کی ایک نمائندہ فہرست یوں مرتب کی کہ یہ مشاعرہ حقیقی معنوں میں کل پاکستان

مشاعرہ" کہلا سکے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس مشاعرہ میں بزرگ اور جوان، مختلف شعری اسالیب اور متنوع لب و لہجہ رکھنے والے شاعر جمع ہیں یہی وجہ ہے کہ عصری غزل کے نمائندہ رجحانات اس ایک مشاعرے کے حوالے سے بخوبی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

مقامِ مسرت ہے کہ ہماری توقع کے مطابق مدعوین کی کثیر تعداد نے اس مشاعرہ میں شرکت کی کچھ شعرائے کرام نجی مصروفیات کے سبب نہ آ سکے اس مشاعرہ اور اب اس کتاب میں ان کی عدم موجودگی کا بہر حال ہمیں افسوس ہے اگر وہ احباب بھی تشریف لے آتے تو یقیناً اس گلدستے میں کچھ اور منفرد رنگوں کا اضافہ ہو جاتا۔

۲ر فروری ۱۹۷۸ء کو رفحان مل کے احاطہ میں منعقد ہونے والے اس مشاعرہ میں پڑھے جانے والے کلام کا یہ انتخاب جناب ریاض مجید نے مرتب کیا ہے جسے مقامی ادیبوں کا اشاعتی ادارہ قرطاس اپنے روایتی معیار کے ساتھ رفحان کے لیے شائع کر رہا ہے۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ریاض مجید صاحب نے جس طرح ہر مرحلے پر اور ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کی۔ اس کے لیے ہم ان کے بہت شکر گزار ہیں۔

یہ انتخاب اپنی جگہ قندِ مکرر کا لطف رکھتا ہے۔ یوں ایک تو اس شعری نشست کا کلام محفوظ ہو گیا ہے اور دوسری طرف عصری غزل کے نمایاں رجحانات، لب و لہجہ کا تنوع اور نئی غزل کے مختلف اسالیب یکجا ہو گئے ہیں جن کا مطالعہ اردو شعر و ادب کے قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

اس مشاعرہ کے انعقاد کے دوران میں رفحان انتظامیہ نے جس طرح افرادِ خانہ کی طرح مل کر اسے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے اس کے لیے میں تمام رفقائے کار کا شکر گذار ہوں۔ اتنے بڑے مشاعرے کا انتظام یقیناً ایک فرد کے بس کی بات نہیں مشاعرہ کمیٹی کے سرپرست جناب ڈی۔ جے۔ فین چیئرمین اور مینجنگ ڈائریکٹر

رفحان مینا میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے نہ صرف مشاعرہ کے انعقاد کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ مشاعرہ کے دوران میں بھی اردو زبان سے اجنبیت کے باوجود قدم قدم پر بھرپور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ دوسرے ارکان کمیٹی میں سے برادرم شاہد اقبال، اعظم خان، اور محمد نسیم کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اپنے تعاون سے اس تقریب کو کامیاب کرایا۔

اپنے رفیقِ کار جناب محمد احسن صاحب کی معاونت اور حسن انتظام سے اس تقریب کے مرحلے جس خوش اسلوبی سے ادا ہوئے اس کے لیے میں تہہ دل سے ان کا ممنون ہوں۔

مشاعرہ میں لاہور کے شعراء کی موجودگی جناب مرتضیٰ برلاس اور کراچی کے شعراء کی شرکت برادرم شاہد اقبال کے دلی تعاون اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے رفحان انتظامیہ اور شعراء کے درمیان ادبی رابطے اور تہذیبی و ثقافتی سفارت کے جو فرائض انتہائی خوشگوار طریقے سے سرانجام دیئے ان کے لیے ان کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ شعرائے کرام جو ہماری درخواست پر یہاں تشریف لائے اور جنہوں نے اپنی شرکت سے اس تقریب کو ایک لازوال یادگار کی حیثیت بخشی۔ میں ذاتی طور پر مشاعرہ کمیٹی اور رفحان انتظامیہ کی طرف سے ان کا از حد شکر گزار ہوں۔

امید ہے ادبی حلقوں میں ہماری اس کوشش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا اور ادب دوست احباب ہمیں اس بارے میں اپنے تاثرات سے مطلع فرمائیں گے۔

محمد یوسف ملک

ا ردسمبر ۱۹۸۰ء

عرضِ مُرتّب

رفحان میلز نے اپنی سلور جوبلی کے موقعہ پر ۲۵ سالہ (۵۳-۱۹۷۸ء) جشنِ سیمیں کے سلسلے میں جہاں اور بہت سی تقریبات کا اہتمام کیا وہاں ۲ر فروری ۱۹۷۸ء کو ایک کل پاکستان مشاعرہ بھی منعقد کیا جس میں پاکستان کے مختلف حصوں سے متنوع شعری رجحانات کے حامل بزرگ اور جدید شاعروں کو مدعو کیا گیا ——— اس مشاعرہ کو نہ صرف مقامی مشاعروں کی تاریخ میں ایک قابلِ قدر اضافہ قرار دیا گیا بلکہ ملک گیر سطح پر ہونے والے مشاعروں میں بھی ایک یادگار حیثیت عطا ہوئی۔ زیرِ نظر کتاب اسی مشاعرہ میں پڑھے جانے والے کلام کے منتخبات پر مشتمل ہے جسے شعرائے کرام کی تصاویر کے ساتھ "قرطاس" کے زیرِ اہتمام شائع کیا جا رہا ہے۔

فیصل آباد (سابق لائلپور) میں برِ صغیر پاک و ہند کے عظیم اور مشہور مشاعروں کا سراغ ۱۹۴۴ء سے ملتا ہے جب لائلپور کاٹن ملز کی سٹیج سے کل ہند مشاعروں کی تاریخ ساز روایت کا آغاز ہوا ملز مذکورہ کی انتظامیہ سال میں دو بار مشاعرہ کراتی ۔ ایک

مشاعرہ دلّی میں ہوتا اور دوسرا فیصل آباد (سابق لائل پور) میں۔ ہر مشاعرہ کی دو نشستیں ہوتیں ایک خصوصی جس میں شعرائے کرام اور گنے چنے باذوق اور ادب دوست احباب شرکت کرتے اور دوسرے دن عمومی نشست کا اہتمام ہوتا جس پر ایک جشن کا گماں گزرتا روشنیوں سے جگمگاتی مل کے وسیع احاطہ میں ہزاروں کی تعداد میں سامعین اس مشاعرہ سے محظوظ ہوتے مشاعروں کا یہ سلسلہ ۱۹۶۵ء تک روائتی التزام کے ساتھ جاری رہا اور کاٹن ملز کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ پاک و ہند کے کم و بیش سبھی معروف شعراء اس کی سٹیج سے اپنے فن کا جادو جگاتے رہے۔ ان مشاعروں سے جہاں مقامی ادبی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے وہاں برصغیر کے مختلف حصوں سے تشریف لانے والے شعرائے کرام کو دو تین روز باہم مل بیٹھنے کے مواقع میسر آتے اور یوں مشاعروں کے وسیلے سے زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے فروغ کی نئے امکانات سامنے آتے۔

مذکورہ بالا مشاعروں کا تسلسل ٹوٹنے کے بعد کچھ سال پہلے مرافکو انڈسٹریز نے بھی ایک شاندار کل پاکستان مشاعرہ منعقد کیا جس سے فیصل آباد کی ادبی فضا میں ایک بار پھر چہل پہل کا احساس ہوا اور جس کی یادیں اب تک ادب دوست سامعین کے دلوں میں تازہ ہیں۔

رنجان کے زیر اہتمام کل پاکستان مشاعرہ کا انعقاد ایک لحاظ سے فیصل آباد کی اسی فراموش ہوتی روایت کی طرف مراجعت ہے اس مشاعرہ سے نہ صرف مقامی ثقافتی ماحول میں خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی بلکہ وہ خلا بھی پُر ہوتا نظر آیا جسے کئی سالوں سے یہاں کے ادبی حلقے محسوس کر رہے تھے۔ پاکستان کے مختلف شہروں سے ملک کے نامور اور پختہ شاعروں کے ساتھ نئے نسل کے ابھرتے ہوئے شاعروں کی موجودگی اس مشاعرہ کی وہ نمایاں خصوصیت ہے جو اسے فیصل آباد کے دوسرے مشاعروں سے منفرد ٹھہراتی ہے اسی خصوصیت کے سبب عصری غزل کے کم و بیش تمام ذائقے، رنگ اور شعری میلانات کسی ادبی جریدے

کے "غزل نمبر" کی طرح اس مشاعرہ میں یکجا دکھائی دیئے۔ یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہے کہ حمد و نعت جس کی فرمائش خاص طور پر رفحان مشاعرہ کمیٹی نے کی تھی، کے علاوہ صرف دو شاعروں نے اس مشاعرہ میں غیر غزلیہ کلام (قطعات، صہبا اختر۔ نظم، احمد راہی) سنایا جو اس انتخاب میں شامل ہے باقی شاعروں نے اردو شاعری کی معروف صنفِ سخن غزل ہی کو وسیلۂ اظہار بنایا اور یوں پاکستان میں اس صدی کی آٹھویں ختم ہوتی دہائی میں لکھی جانے والی غزل کے کم و بیش تمام نمائندہ رجحانات اور اسالیب "رفحان میں ایک شام" میں دیکھے جا سکتے ہیں، اس اعتبار سے رفحان کے اس مشاعرہ کو آج کی غزل کا "مظاہرہ" کہا جائے تو شاید یہ بے جا نہ ہو۔

اس مشاعرے کی دوسری انفرادیت تازہ اور غیر مطبوعہ کلام کی فرمائش تھی جس کا اظہار رفحان انتظامیہ نے دعوت نامے ہی میں کر دیا تھا۔ اگرچہ سامعین کی "پُر زور فرمائشوں" کے سبب کچھ شاعروں کو اپنی پرانی غیر مطبوعہ اور معروف تخلیقات سنانا پڑیں تاہم کل پاکستان مشاعروں کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا مشاعرہ ہے جس میں پڑھے جانے والے کلام کا غالب حصہ تازہ اور غیر مطبوعہ تھا۔ مشاعرہ کے انعقاد (۲ فروری ۸۰ء) اور اس کتاب کی پیشکش (۷ دسمبر ۸۰ء) کے دوران میں بہت سی منظومات ضرور اشاعت پذیر ہوئیں مگر چند منظومات تاحال بھی غیر مطبوعہ ہیں اور پہلی بار "رفحان میں ایک شام" میں پیش ہو رہی ہیں۔

اس مشاعرہ کی کامیابی کا سہرا ان شعرائے کرام کے سر تو ہے ہی جنہوں نے اپنے گرانقدر تخلیقات سے سامعین کو محظوظ کیا مگر اس کے پیچھے یقیناً مشاعرہ کمیٹی کے ارکان اور رفحان کے ان بے شمار کارکنان کے حُسنِ کارکردگی کا بھی ہاتھ ہے جنہوں نے اس تقریب کے انعقاد میں یگانگت اور شائستگی کا بے مثال مظاہرہ کیا اس کا کچھ اندازہ مشاعرہ میں شریک شاعروں کے ان تاثرات سے کیا جا سکتا ہے جو رفحان انتظامیہ کو موصول ہوئے اور جن میں سے کچھ اقتباسات اس کتاب میں شریکِ اشاعت ہیں۔

"ریختان میں ایک شام" کی ترتیب کے دوران منتظمینِ مشاعرہ نے مجھے مشاعرہ کی ٹیپوں شعرائے کرام کی تصویروں، کلام کے مسودوں اور خطوط کی فائلوں سے استفادہ کا جو موقع فراہم کیا اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اس بنیادی مواد کے بغیر یہ انتخاب شاید اس انداز میں پیش نہ کیا جا سکتا۔

اس نوازش پر میرے لیے کسی ایک فرد واحد کا شکریہ ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ریختان کے سبھی احباب جس محبت اور خوش سلیقگی سے پیش آئے اور انھوں نے مختلف مرحلوں پر جس طرح اپنی معاونت اور مفید مشوروں سے نوازا اس کے لیے میں سب کا ممنون ہوں۔

۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء

ریاض مجید
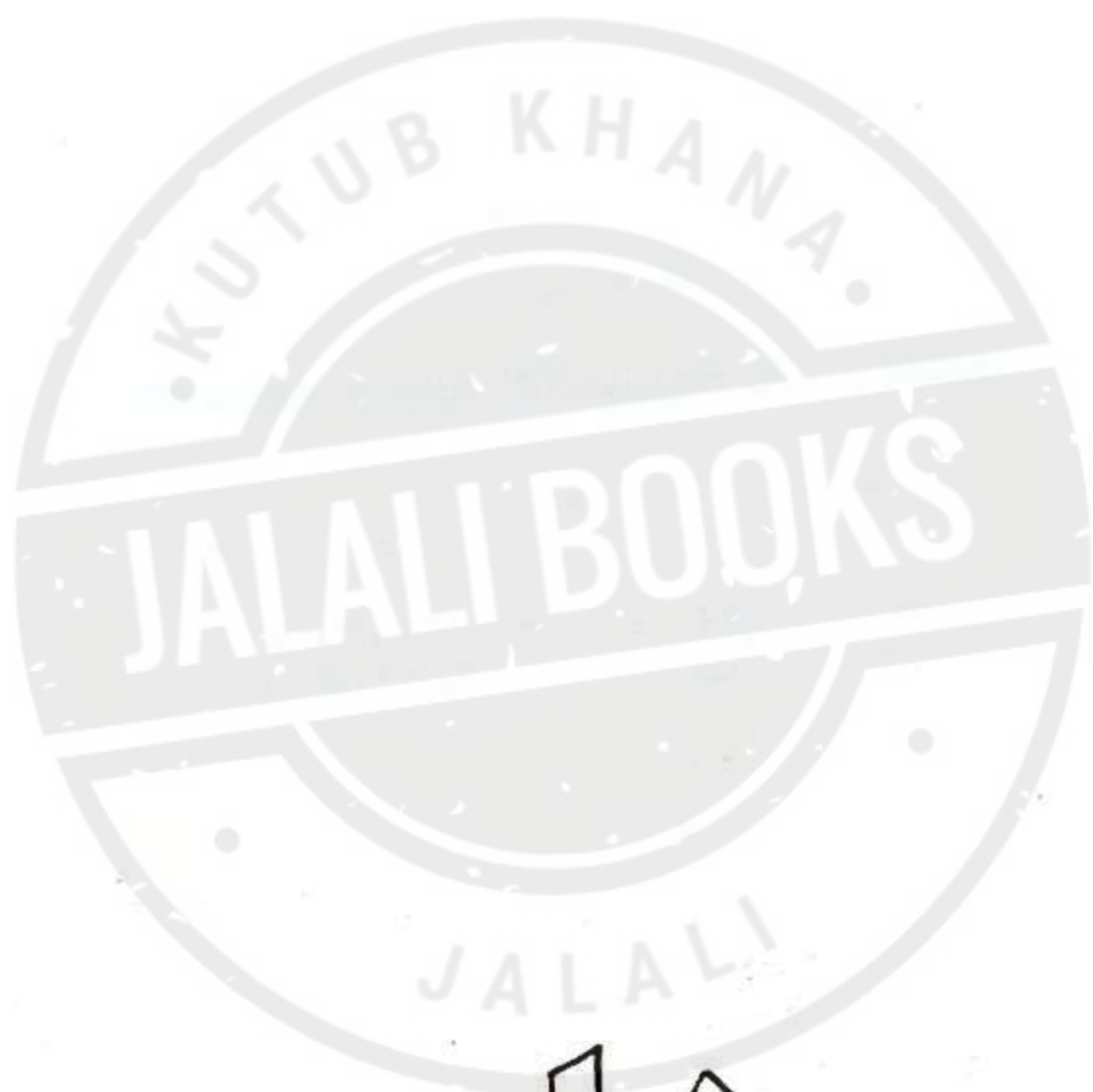
مشاعرہ

انتخاب

کُل پاکستان مشاعرہ بہ سلسلۂ تقریباتِ جشنِ سیمیں

صدارت ——— فیض احمد فیض

سٹیج سیکرٹری ——— شبنم رومانی

تاریخ ——— ۲ر فروری ۱۹۷۶ء

مقام مشاعرہ ——— ریحان ملز فیصل آباد

دورانیہ ——— ۳ گھنٹے ۲۰ منٹ

خدائے برتر!

تری زمیں پر جو کچھ ہے تو ہے

تری مشیت وہ لفظِ اوّل ہے

جس کا آخر تو آپ ہی ہے

تو ایسا رازق ہے جس کے دستِ عطا سے پتھر میں بند کیڑے کی زندگی ہے

تجھے یقیناً یہ علم ہوگا!
تری زمیں پر کچھ ایسی بدبخت بستیاں بھی ہیں
جن کے باسی تری توجہ کے خواب قریے میں جی رہے ہیں۔
تری توجہ کا خواب قریہ جہاں اندھیرا بھی روشنی ہے
جہاں کروڑوں سیاہ پیلے نحیف بچے شکم کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں
اور اپنی سہمی اداس ماؤں کے خشک سینوں سے بھوک پیتے ہیں
جن کے مردوں کی ساری دولت فقط پسینہ ہے
جس کے بدلے وہ زندہ رہنا خریدتے ہیں

خدائے برتر!
مجھے بتا ان گرسنہ نسلوں کا جرم کیا ہے؟
یہ کس سے اپنے گناہ پوچھیں؟
جو اپنے رستے سے بے خبر ہیں
وہ کس طرح تیری راہ پوچھیں؟

○

مرحبا صلّے علیٰ وہ شہِ بطحا میرا
وہ سہارا وہ مسیحوں کا مسیحا میرا

میرے آداب اسی منبع تہذیب کی دین
اس کی شائستگی کا صدقہ سلیقہ میرا

بندگی میری ـــــ ترے نقشِ کفِ پا کا کرم
مری معراج ترے پاؤں پہ سجدہ میرا

حسنِ پاکیزگی دے میری نجس سوچوں کو
کتنا تاریک ہے اے نورِ سراپا میرا

رحمتیں اس کی ہیں ہر ایک زمانے کے لیے
اس کو جو دیکھتا ہے کہتا ہے "میرا میرا"

میرے سانسوں میں رہے تیرے دُرود کی مہک
ذکر تیرا رہے دن رات وظیفہ میرا

ہے دُعا میری چلوں اس کے نشانِ پا پر
رنگ میں اس کے ڈھلے بیٹھنا اُٹھنا میرا

ریاض مجید

O

کسی جگہ پہ تو اُس ہم سفر کو کھونا تھا
کہ راستوں کو کہیں پر تو ختم ہونا تھا

گرفت اُس کی نہ میری تھی آتے موسم پر
جو ہو گیا یہی انجام کار ہونا تھا

عقب میں ہر کسی تحریر کے تھے پچھتاوے
ورق ورق کو یونہی آنسوؤں سے دھونا تھا

بزرگ سر تھا ہمارے نحیف کاندھوں پر
کہ ہم کو وقت سے پہلے جوان ہونا تھا

غنودگی کھلی آنکھوں کی ڈھونڈتی تھی تجھے
بچھڑ کے تجھ سے یونہی جاگتے میں سونا تھا

کِسے خبر تھی کسی اور کے گلے لگ کر
تری جدائی میں بچوّں کی طرح رونا تھا

بچھڑ کے تجھ سے کسی اور کی رفاقت میں
ہمیں ترے لیے یوں بھی اداس ہونا تھا

سوار خود ہوئے جلتے ہوئے سفینے پر
ہمیں ہی ڈوبنا تھا، اس نے کیا ڈبونا تھا !

جدائی کے وہی دو چار رتجگے تھے ریاضؔ
کہ اس کے بعد تو پھر عمر بھر کا سونا تھا

مسعود مختار

○

روشنی کوئی نہ تھی گرچہ ستارے تھے بہت
سب سے پیچھے وہ رہا جس کے سہارے تھے بہت

کیسا گھر تھا کہ عجب خوف سا آتا تھا مجھے
ایک بچّہ بھی نہ تھا اور غبارے تھے بہت

حادثہ صبح کے ہوتے ہی مجھے پیش آیا
موت نے رات مرے بال سنوارے تھے بہت

شاخ کو چھوڑنے والے ہی نہ تھے وہ پتّے
موسموں نے تو انہیں تیر بھی مارے تھے بہت

خستہ دیوار پہ تھا خون کے دھبّوں کا ہجوم
آنکھ والوں کے لیے اس میں اشارے تھے بہت

مَیں کسی ایک کے پیچھے نہیں بھاگا مسعودؔ
تتلیاں، پھول، پرندے سبھی پیارے تھے بہت
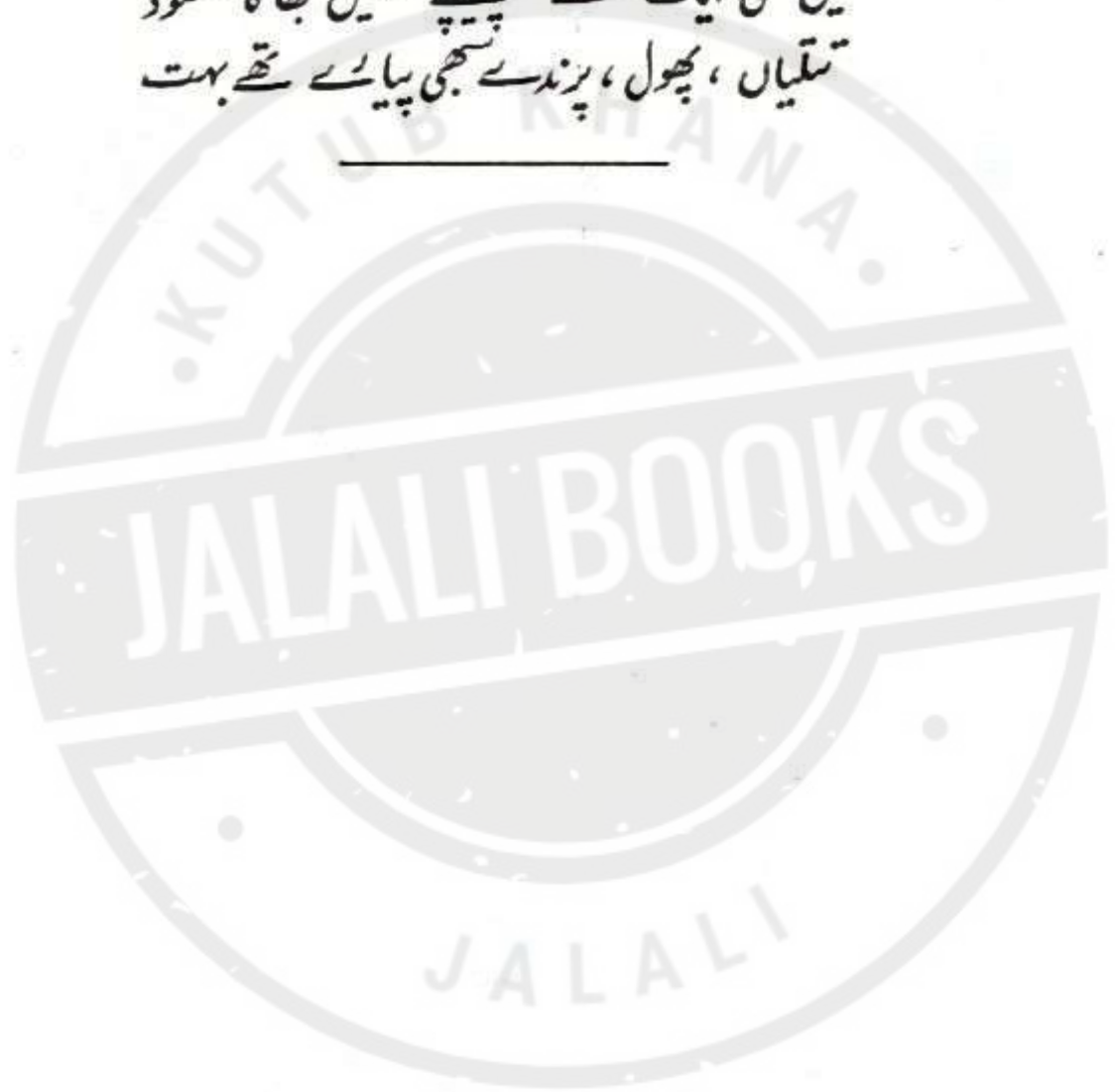
احسن زیدی

اتنا آساں بھی نہیں اونچے مناظر دیکھنا
اڑنے والوں کے کبھی ٹوٹے ہوتے پر دیکھنا

کشتیاں لے کر چلے ہیں ریگزاروں کی طرف
لوگ چاہیں اب تو صحرا میں سمندر دیکھنا

جو زمیں کی جستجو میں تھا اسے مت بھولنا
جب بھی سطحِ آب پر بہتا ہوا گھر دیکھنا

رُت بدلنے کو ہے گرنے کو ہے ظلمت کی فصیل
مشعلوں کے چار سو اٹھتے ہوتے سر دیکھنا

بڑھ رہی ہے شہرِ شبنم کی طرف کرنوں کی فوج
شام اس لشکر کی پسپائی کا منظر دیکھنا

اک زمانہ تھا کہ ہر آہٹ پہ اٹھتی تھی نظر
اب تو جیسے اک گنہ ہو جانبِ در دیکھنا

اس بلندی سے تو دریا بھی ہے پانی کی لکیر
دیکھنا ہے گر ہمیں نیچے اتر کر دیکھنا

انور محمود خالد

○

باقی تو یونہی رواں دواں ہیں
تخلیق کے لمحے جاوداں ہیں

قرنوں سے انہیں پکارتا ہوں
تھے میرے جو ہم سفر کہاں ہیں

ملتی ہے ازل ابد کی سرحد
کچھ مرحلے آنکھ سے نہاں ہیں

شفاف تھیں یہ فضائیں میری
بارود سے جو دھواں دھواں ہیں

شاخوں پہ ٹنگی ہوئی ہیں آنکھیں
اعضائے بدن کہاں کہاں ہیں

ہم اپنے وطن میں اجنبی ہیں
مجرم ہیں کر حق کے ترجماں ہیں

ہم حسن کے خیر کے پیمبر
صحرا کی صدائے بیکراں ہیں

قبروں پہ گلاب کھل اُٹھے ہیں
موسم کی ستم ظریفیاں ہیں

چٹخیں گی یہ منجمد چٹانیں
اندر سے سبھی تپاں تپاں ہیں

زنداں کی پگھل گئیں سلاخیں
سورج تو ہمارے درمیاں ہیں

مُٹھی میں ہے میری کُرۂ ارض
انگلی سے لپٹتے آسماں ہیں

دم توڑتی رات کی فضا میں
ہم صبح کی گونجتی اذاں ہیں

حزیں لدھیانوی

○

جلتے گھر پہ تیل چھڑکا، پھر ہوائیں دے گیا
روٹھ کر وہ شعلہ خو کیا کیا سزائیں دے گیا

دُودھ پیتے بچے اک اک بوند کو ترسا کیے
وقت ہم کو سوکھی چھاتی والی مائیں دے گیا

کرب کے زنداں میں جب ہونے لگے بیدار لوگ
اک مداری ان پہ لفظوں کی ردائیں دے گیا

جس کے قدموں کے تلے ہیں کہکشاں کی سیڑھیاں
خاک کے ذرّوں کو شعلوں کی قبائیں دے گیا

چپ کی چادر اوڑھ کر سب لوگ سوتے ہی رہے
بستی بستی ایک دیوانہ صدائیں دے گیا

خشک تو میں ہو گیا کم آب چشمے کی طرح
بھاپ بن کر تپتی دھرتی کو گھٹائیں دے گیا

محشرؔ گلشن میں دارِ شاخ پر ہنستا گلاب
حادثوں میں زندہ رہنے کی ادائیں دے گیا

شعلہ، تارا، چاند، سورج تو نہ تھا پھر بھی حزیںؔ
دل جلا کر تیری گلیوں کو ضیائیں دے گیا

میرے مذہب میں حزیںؔ پتھر ہے ایسا شخص بھی
کھا کے پتھر، پتھروں کو جو دعائیں دے گیا

رفعت سُلطان

○

دو زہر ، یا تکلفِ صہبائے جم کرو
بے کیف زندگی کے لیے کچھ بہم کرو

قائم رہے تعلقِ خاطر کسی طرح
ممکن اگر نہیں ہے کرم تو ستم کرو

پیہم کرو نگارِ مسرت کی جستجو
دو دِن کی زندگی کو نہ وقفِ الم کرو

اب طے کرو فروغِ محبت کا مرحلہ
اب ختم یہ فسانۂ دیر و حرم کرو

رفعتؔ اگر کمالِ سُخن کی ہے آرزو
قرطاسِ دل پہ نام کسی کا رقم کرو

آج کی بات پھر نہیں ہو گی
یہ ملاقات پھر نہیں ہو گی

رات ان کو بھی ہو گیا محسوس
جیسے یہ رات پھر نہیں ہو گی

ایسے بادل تو پھر بھی آئیں گے
ایسی برسات پھر نہیں ہو گی

اِک نظر مُڑ کے دیکھنے والے
کیا یہ خیرات پھر نہیں ہو گی

جیت کے شوق سے گزر رفعتؔ
عشق کو مات پھر نہیں ہو گی

محمود شارب

○

شاید یہی مشیّت پروردگار ہے
محدود کچھ گھروں پہ حدودِ بہار ہے

ویسے تو آدمی یہ بڑا خاکسار ہے
لیکن وہاں خدا ہے جہاں اختیار ہے

اچھے بُرے سبھی ہیں تری کائنات میں
پھر تو کسی شمار میں اپنا شمار ہے

بے شک تو سر براہِ زمانہ سہی مگر
پیشِ نظر، یہ گردشِ لیل و نہار ہے

ہوتی نہیں کسی سے بھی تخلیقِ رنگ و بُو
کہنے کو ہر کوئی یہاں تخلیق کار ہے

پیشِ نظر ہو اپنے پرائے کی زندگی
ورنہ یہ اقتدار تو صرف اقتدار ہے

دنیا جہاں کی کیوں ہے شکایت زبان پر
سارے دکھوں کی جڑ یہ دلِ غمگسار ہے

روشن وہ میرے خانۂ ہستی میں کیوں نہیں
روشن جو بعدِ مرگ چراغِ مزار ہے

آتا نہیں نظر مجھے حدِّ نگاہ تک
شارب یہاں کہاں شجرِ سایہ دار ہے

عدیم ہاشمی

○

پڑھتا ہوں ابھی تک وہی تحریر پرانی
ماتھا ہے نیا پھر بھی ہے تقدیر پرانی

یہ عالمِ نو یہ ترا بدلا ہوا چہرہ
سینے سے لگالی تری تصویر پرانی

کاندھوں پہ نیا سر تو بڑی دھج سے لگایا
پیروں میں لٹکتی رہی زنجیر پرانی

فنکار وہی ہاتھ وہی رنگ وہی ہیں
صورت ہے وہی، ہے وہی تصویر پرانی

تو مجھ کو سجا دے کہ بنا دے کہ مٹا دے
مَیں تو ہوں مری جاں، تری جاگیر پرانی

معمار نے بنیاد کا نقشہ نہیں بدلا
پھر میرے کھنڈر کی ہوئی تعمیر پرانی

مَیں نے تو عدیمؔ اسکو نیا پیار دیا تھا
بھولا ہی نہیں وہ مری تقصیر پرانی

اقبال ساجد

○

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
مَیں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

تاریخِ کربلائے سخن دیکھنا، کہ مَیں —!
خونِ جگر سے لکھ کے ورق چھوڑ جاؤں گا

اِک روشنی کی موت مروں گا زمین پر
جینے کا اِس جہان میں حق چھوڑ جاؤں گا

وہ اوس کے درخت لگاؤں گا جا بجا
ہر بوند میں لہو کی رمق چھوڑ جاؤں گا

گزروں گا شہرِ سنگ سے جب آئینہ لیے
چہرے کھلے دریچوں میں فق چھوڑ جاؤں گا

پہنچوں گا صحنِ باغ میں شبنم رُتوں کے ساتھ
سوکھے ہوئے گلوں میں عرق چھوڑ جاؤں گا

ہر سُو لگیں گے مجھ سے صداقت کے اشتہار
ہر سُو محبتوں کے سبق چھوڑ جاؤں گا

ساجدؔ گلاب چال چلوں گا روش روش
دھرتی یہ گلستانِ شفق چھوڑ جاؤں گا

حسین سحر

O

بجھتا ہوا دیا یہ سزا دے گیا مجھے
مَیں شعلۂ جنوں تھا ہَوا دے گیا مجھے

رنگوں میں ایک چاند سا پیکر بکھر گیا
پانی میں اس کا عکس مزا دے گیا مجھے

مَیں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے

خوشبو کا ایک نرم سا جھونکا بہار میں
گزرے ہوئے دنوں کی صدا دے گیا مجھے

سورج کی چند جاگتی کرنوں کا قافلہ
خوابیدہ منزلوں کا پتا دے گیا مجھے

میرے لیے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

مَیں بخامشی کا پیکرِ بے رنگ تھا سحرؔ
اِک شخص بولنے کی ادا دے گیا مجھے

امجد اسلام امجد

(۱)

اب کے سفر ہی اور تھا اور ہی کچھ سراب تھے
دشتِ طلب میں جا بجا سنگِ گرانِ خواب تھے

حشر کے دن کا غلغلہ شہر کے بام و در میں تھا
نگلے ہوئے سوال تھے اُگلے ہوئے جواب تھے

اب کے برس بہار کی رُت بھی تھی انتظار کی
لہجوں میں سیلِ درد تھا، آنکھوں میں اضطراب تھے

خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے
پھولوں کے ہاتھ جل گئے کیسے یہ آفتاب تھے

عمر اسی تضاد میں رزق غبار ہو گئی
جسم تھا اور عذاب تھے آنکھیں تھیں اور خواب تھے

آنکھوں میں خون بھر گئے رستوں میں ہی بکھر گئے
آنے سے قبل مر گئے ایسے بھی انقلاب تھے

صبح ہوئی تو شہر کے شور میں یوں بکھر گئے
جیسے وہ آدمی نہ تھے نقش و نگارِ آب تھے

ساتھ وہ ایک رات کا چشم زدن کی بات تھا
پھر نہ وہ التفات تھا پھر نہ وہ اجتناب تھے

ابر برس کے کھل گئے جی کے غبار دھل گئے
آنکھ میں رونما ہوئے شہر جو زیرِ آب تھے

درد کی رہگذار میں چلتے تو کس خمار میں!
چشم کہ بے نگاہ تھی ہونٹ کہ بے خطاب تھے

افتخار عارف

○

سمجھ رہے ہیں مگر بولنے کا یارا نہیں
جو ہم سے مل کے بچھڑ جائے وہ ہمارا نہیں

ابھی سے برف الجھنے لگی ہے بالوں سے
ابھی تو قرضِ مہ و سال بھی اتارا نہیں

بس ایک شام اسے آواز دی تھی ، ہجر کی شام
پھر اس کے بعد اسے عمر بھر پکارا نہیں

وہ ہم نہیں تھے تو پھر کون تھا سرِ بازار
جو کہہ رہا تھا کہ بکنا ہمیں گوارا نہیں

کسی کے ہجر میں خوشبو کا دربدر پھرنا
خسارہ ہے مگر ایسا بھی کچھ خسارہ نہیں

ابھی تو صبح ہوئی تھی کہ آ گئی پھر شام
اور ایسی شام کہ کوئی بھی اب ستارا نہیں

ہم اہلِ دل ہیں محبت کی نسبتوں کے امین
ہمارے پاس زمینوں کا گوشوارہ نہیں

عذابِ وحشتِ جاں کا صلہ نہ مانگے کوئی
نئے سفر کے لیے راستہ نہ مانگے کوئی

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں
عجیب رسم چلی ہے دعا نہ مانگے کوئی

عطا شاد

○

گہری ہے شب کی آنچ کہ زنجیرِ در کٹے
تاریکیاں بڑھیں تو سحر کا سفر کٹے

کتنی شدید ہے یہ خنک سرخیوں کی شام
سلگا ہے وہ سکوت کہ تارِ نظر رہے

کیا قحط اختیار ہے اے شہرِ بے اماں
اڑ کر کبھی سوچتا ہوں مرے بال و پر کٹے

کس نے روکا یہاں خوشبوؤں کا سفر، روشنی کے کوئی مقدم جائے گا
وہ بھی آواز میں آگ تھا بجھ گیا، یہ بھی لہجے میں طوفاں ہے تھم جائے گا

تم بھی چکھو گے زہراب کا ذائقہ، تم بھی دیکھو گے بیدار سانسوں کو سُن
گرم احساس کے نرم آغوش میں جو بھی شعلہ بنے گا وہ جم جائے گا

جب بھی سلگا ہے دل میں گھٹاؤں کا غم، ہم نے چمکائی ہے دھڑکنوں کی دھنک
یونہی مہکا رہے چاندراتوں کا رس، ہر اماوس اکا سیلاب تھم جائے گا

شبنم رومانی

○
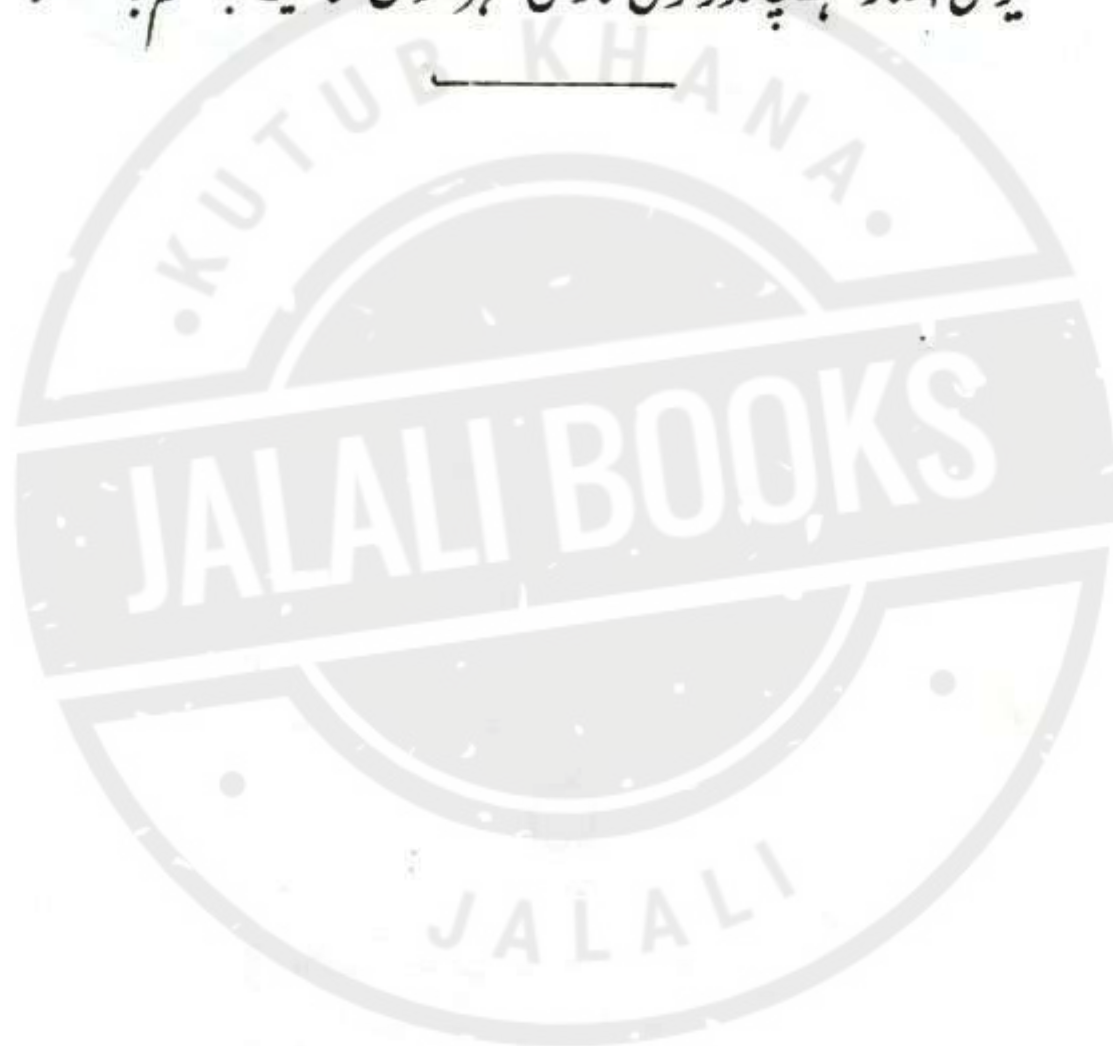
تمام عمر کی آوارگی پہ بھاری ہے
وہ اِک گھڑی جو تری یاد میں گزاری ہے

اس انجمن میں سنائے ہیں ہم نے پیار کے گیت
جس انجمن میں عبادت بھی کاروباری ہے

مجھے یہ زعم کہ مَیں حسن کا مصوّر ہوں
انہیں یہ ناز کہ تصویر تو ہماری ہے

جسم پتھر پتھروں میں جان ہے
کیا کوئی اس شہر میں انسان ہے

راہرو راہِ وفا کوئی نہیں
یہ گلی تو دور تک سنسان ہے

بند باندھے جا رہے ہیں آج کل
اک نئے سیلاب کا امکان ہے

حکم تھا چاکِ گریباں دیکھنا
یہ ہمارے عہد کی پہچان ہے

پروین شاکر

○

مشکل ہے کہ اب شہر میں نکلے کوئی گھر سے
دستار پہ بات آگئی ہوتی ہوئی سر سے

برسا بھی تو کس دشت کے بے فیض بدن پر
اک عمر مرے کھیت تھے جس ابر کو ترسے

اس بار جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بڑا پیار تھا اُس بوڑھے شجر سے

محنت میری آندھی سے تو منسوب نہیں تھی
رہنا تھا کوئی ربط شجر کا بھی ثمر سے

خود اپنے سے ملنے کا تو یارا نہ تھا مجھ میں
میں بھیڑ میں گم ہو گئی تنہائی کے ڈر سے

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے

پتھرایا ہے یہ دل کہ کوئی اسم پڑھا جائے
یہ شہر نکلتا نہیں جادو کے اثر سے

نکلے ہیں تو رستے میں کہیں شام بھی ہوگی
سورج بھی مگر آئے گا اس راہ گزر سے

کلیم عثمانی

○

سچ بات بھی کہنے پہ جہاں خوف ہو ڈر ہو
اُس بزم میں کس طور بھلا عرضِ ہنر ہو

فنکار کے ہونٹوں پہ بھی جب چُپ کے ہوں تالے
کِس طرح زمانے کے حقائق کی خبر ہو

کُھلتا نہیں یہ بھید حقیقت ہے تو کیا ہے
تم پھُول ہو، شبنم ہو کہ شعلہ ہو، شرر ہو!

ہر آن یہی فکر کہ کس طرح گزاریں
ہر لمحہ یہی سوچ کہ کس طرح بسر ہو!

اے کاش مرے دیس میں وہ دَور بھی آئے
انسان کے ہاتھوں میں نہ تقدیرِ بشر ہو

اِس خوف سے کرتے نہیں جلووں کا تقاضا
منظور نہیں ہم کو کہ توہینِ نظر ہو

اوروں کے گریباں ہی کو مت ناپتے رہیئے
اپنے بھی تو دامن پہ کبھی نقد و نظر ہو

زخم اور کے آئے تو تری آنکھ ہو پُر نم
سینے میں ترے دولتِ احساس، اگر ہو

اچھا وہی انسان ہے جو چھتنار ہو یارو
وہ شخص بھی کیا شے ہے جو بے برگ و شجر ہو

اسرار زیدی

○

ہے ابر کتنی دُور ہوا کتنی دُور ہے
زنداں کے در سے رخشِ صدا کتنی دُور ہے

اب "شعر زاد" کتنے حصاروں میں بند ہے
اب وہ طلسمِ ہوشربا کتنی دور ہے؟

اب کِس جگہ سے تختِ سلیماں کا ہے گزر
اب اس جگہ سے شہرِ سبا کتنی دُور ہے

اِک سحرِ سامری کہ فضا پر محیط ہے
مُوسٰی کہاں ہے اُسکا عصا کتنی دُور ہے

یہ راہ کھو چکی ہے مسافت کی دُھند میں
اے دشت تیرا آبلہ پا کتنی دُور ہے ؟

چرچے بہشت کے تو ہر اِک کی زباں پہ ہیں
یہ حجلۂ نشاط ہے کیا ، کتنی دُور ہے ؟

”شہ رگ سے بھی قریب ہوں“ اُسنے خبر یہ دی
مَیں سوچتا رہا کہ خدا کتنی دُور ہے ؟

مُحسن احسان

○

شکارِ دشنۂ رہزن ہیں راہبر میرے
سفر کریں تو کریں کیسے ہم سفر میرے

چراغِ عرش سے تابندہ خار و خس اُس کے
غبارِ فرش سے آلودہ بال و پَر میرے

کچھ ایسی روشنی دیوار و بام و دَر پر ہے
کہ مہر و ماہ مقیّد ہیں جیسے گھر میرے

بلندیوں کی طرف حسرتوں سے دیکھتا ہوں
کسی نے نوچ لیے ہیں تمام پَر میرے

مجھے تو خواہشِ عمرِ ابد نہ تھی لیکن
خدا نے دھر دیا الزام یہ بھی سر میرے

مجھے بھی دیکھ مری کاوشِ زباں کو بھی دیکھ
سمندروں کی تہوں میں ہیں سب گہر میرے

ستم ظریفیٔ تقدیر دیکھنا محسنؔ
چراغ ہنسنے لگے آفتاب پر میرے

صہبا اختر

قطعات

زلزلوں کی نہ دسترس ہو کبھی — اے وطن تیری استقامت تک
ہم پہ گزریں قیامتیں لیکن — تو سلامت رہے، قیامت تک

خود جو تقسیم کر چکے ہیں ہمیں — ایک مرکز پہ مڑ نہیں سکتے
دل مرے رہنماؤں کے افسوس — ٹوٹ سکتے ہیں، جڑ نہیں سکتے

اے خدا بے اثر ہے ہر فریاد
میری ملت کو حبِ ملت دے
یا یہ گویائی چھین لے مجھ سے
یا میری قوم کو سماعت دے

برہنہ ہے خطا کاری ہماری
کوئی نیکی نہیں ملبوس ہم سے
بپا کی ہے مگر ہر صبح تازہ
خدا اب تک نہیں مایوس ہم سے

تعصب کے لبادے اس طرح سے
ہماری روح پر جھولے ہوتے ہیں
ہمیں گو یاد ہیں اپنی زبانیں
محبت کی زباں بھولے ہوئے ہیں

دہر کی ظلمتوں سے مت گھبرا
صبح فردا کے آس پاس تو دیکھ
فرد کی عمرِ مختصر پہ نہ جا
قوم کی عمرِ بے حساب کو دیکھ

انور مسعود

○

بس یونہی اِک وہم سا ہے واقعہ ایسا نہیں
آئینے کی بات سچی ہے کہ مَیں تنہا نہیں

بیٹھیے پیڑوں کی اُترن کا الاؤ تاپیے
برگِ سوزاں کے سوا درویش کچھ رکھتا نہیں

اُف چٹخنے کی صدا سے کس قدر ڈرتا ہوں مَیں
کتنی باتیں ہیں کہ دانستہ جنہیں سوچا نہیں

چین کا دشمن ہوا اِک مسئلہ میری طرف
اُس نے کل دیکھا تھا کیوں اور آج کیوں دیکھا نہیں؟

اپنی اپنی سب کی آنکھیں اپنی اپنی خواہشیں
کس نظر میں جانے کیا جچتا ہے کیا جچتا نہیں؟

اب جہاں لے جائے مجھکو جلتی بجھتی آرزو
مَیں بھی اس جگنو کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں

کیسی کیسی پُرسشیں انورؔ رُلاتی ہیں مجھے
کھیتیوں سے کیا کہوں میں ابر کیوں برسا نہیں

احمد راہی

نظم

جیہڑے لوکی ویکھ نئیں سکدے
ساتھوں بہتا ویکھدے نیں
جیہڑے لوکی سُن نئیں سکدے
ساتھوں بہتا سُن دے نیں
جیہڑے لوکی بول نئیں سکدے
ساتھوں بہتا بولدے نیں

ویکھن والیو!
سُنن والیو!
بولن والیو!

انھے ہو جاؤ
بولے ہو جاؤ
گونگے ہو جاؤ ——— تاں دیکھو گے — !
تاں ای سنو گے — !
تاں بولو گے — !

———

مرتضیٰ برلاس

○

یہ کس کی چاہ کا ہم اعتراف کر بیٹھے
کہ ساری دنیا کو اپنے خلاف کر بیٹھے

وہ زود رنج بھی تھا معتبر بھی، ناداں بھی
ہم ایسے شخص سے کیوں اختلاف کر بیٹھے

متاعِ دل کو سنبھالو کہ بھیڑ کافی ہے
نہ جانے کوئی کہاں ہاتھ صاف کر بیٹھے

اپنا تو بس کام یہی ہے سب کے غم اپناتے رہنا
اپنے ناخن زخمی کرتا اور گتھی سلجھاتے رہنا

ہم تو چراغ اول شب ہیں اوّلِ شب بجھ جائیں گے
تم ہی یارو آخرِ شب تک دیپ سے دیپ جلاتے رہنا

وقت کی تیز تپتی ہوئی ریت پر پڑ گئے پاؤں میں آبلے دوستو
سانس اُکھڑا گیا، جسم ٹوٹا گیا، ہم نہ ہارے مگر حوصلے دوستو

رنگ و بو کی کشش ہے ہوس ہی ہوس، اپنا دست رسا دیکھنا چاہیئے
ہاتھ جلتے ہوں جب پھول کی آنچ سے ایسے پھولوں سے کانٹے بھلے دوستو

میری ناکامیوں کی دبی آگ سے، جانیں کس کس کے دامن جھلس جائیں گے
بات چھیڑی تو پھر بات بڑھ جائے گی یہ بھی سوچا کبھی منچلے دوستو

لوگ ہوں مطمئن جب سیہ رات سے پھیر لیں اپنی آنکھیں جو حالات سے
عقل کے فیصلے جب ہوں جذبات سے، خاک سمجھیں گے ہم مسئلے دوستو

خود ہی اپنا تحفظ کریں ہمسفر، سب مسافر رہیں جاگتے رات بھر
پھر اسی راہ پر ہم نکل آئے ہیں، لٹ گئے ہیں جہاں قافلے دوستو

ظفر اقبال

○

جسم باقی تو صاف چھوڑا ہے
صرف گردن کو ہی مروڑا ہے

خوابِ غفلت سے آپ نے ہم کو
یہ جھنجھوڑا ہے یا بھنبھوڑا ہے

صرف دھونے سے ہم نہ مرتے تھے
بس ذرا سا ہمیں نچوڑا ہے

آپ لاحق ہوتے ہیں اس کے سوا
کوئی ناسور ہے نہ پھوڑا ہے

خشتِ بنیاد ہے جو اپنے لیے
آپ کے راستے کا روڑا ہے

کب نکلتی تھی اپنی گنجائش
اس کو گانٹھا ہے اس کو توڑا ہے

شہر کے ساتھ جو ہوئی اس پر
غم زیادہ ہے، غور تھوڑا ہے

دل وہ دریا ہے جس کا رخ ہم نے
کتنی ہی کوششوں سے موڑا ہے

دیکھنا حالتِ جنابِ ظفرؔ
آپ ٹوٹے ہیں شعر جوڑا ہے

اطہر نفیس

O

مَیں لفظ چنتا تھا اپنے خوں سے اور ایک پیکر تراشتا تھا
پھر اس کی چاہت کی سرخوشی میں بڑے تکبر سے گھومتا تھا

نہیں تھا آئینہ کوئی ایسا کہ میرا نام و نشاں بتاتا
مَیں خود کو پہچاننے کی خاطر ہر ایک چہرے میں جھانکتا تھا

ملا جب آئینہ مجھ کو ایسا کہ عکس دکھلائے مجھ کو میرا
تو سارے چہروں کو محو کر کے میں اپنی صورت پہ مر مٹا تھا

سکوت آواز کی سزا ہے سو آج ہوں کل نہیں رہوں گا
سمیع لوگو! گواہ رہنا میں زندہ لفظوں میں بولتا تھا

جواب سے کے ابھرا تو میری مُٹھی میں خاک ہوگی اداسیوں کی
میں وہ شناور ہوں زندگی کا کہ روز مٹّی نکالتا تھا

ہر ایک لمحہ تھا میرا لمحہ کہ میری دھن کے حصار میں تھا
ہر ایک ساعت ہے میری ساعت میں یوں بھی اک دن غزل سرا تھا

میں بجھ گیا ہوں میں بجھ رہا ہوں تو اے رفیقو ترس نہ کھاؤ
یہ روزِ خمیازۂ محبت تو میری تقدیر میں لکھا تھا

ضمیر جعفری

○
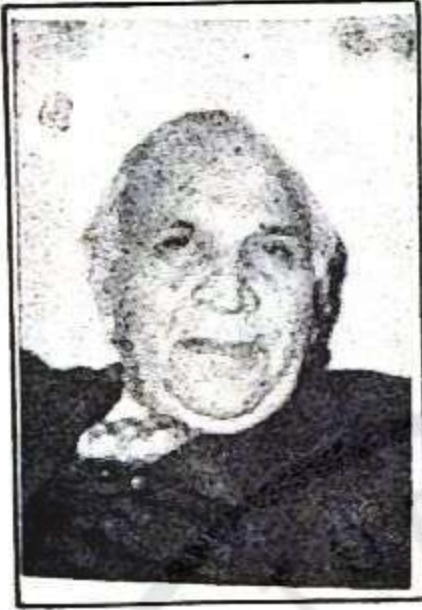
زندگی سونی ہے دلبر کے بغیر
جیسے تھانیدار ہنٹر کے بغیر

جیسے کوئی شعر معنی کے بغیر
جس طرح گنبد کبوتر کے بغیر

اُکھڑی اکھڑی پتلی پتلی گفتگو
جس طرح سالن ٹماٹر کے بغیر

کان میں گوری کے آویزہ نہ ہو
دلہنوں کے پاؤں جھانجھر کے بغیر

یوں پڑے ہیں زندگی کی دھوپ میں
جیسے نقلی گھی کنستر کے بغیر

رہنما کرتے رہے ذکرِ جہیز
لڑکیاں بیاہی گئیں بر کے بغیر

آرزوئیں جیسے نو آزاد ملک
پگڑیاں باندھے ہوئے سر کے بغیر

منہ اندھیرے چوک میں بیٹھا ہوا
جیسے کوئی پنشنر گھر کے بغیر

سخت پالے کے دنوں میں جس طرح
پیر صاحب گرم چادر کے بغیر

قوم ہو لیکن تشخص کچھ نہ ہو
ہم مکاں رکھتے ہیں نمبر کے بغیر

جیسے تیر انداز بے دست و کماں
جس طرح لیڈر ہو ووٹر کے بغیر

اپنے گھر پہ یہ گماں گزرا ضمیر
اک شفا خانہ ہے بستر کے بغیر

شیر افضل جعفری

○

اِک رندِ الٰہی کو جو ارمان بہ لب ہے
قرآن کے رخسار کی بوسے کی طلب ہے

رحمت اُسے لینے کے لیے محوِ طرب ہے
مسجد میں گنہگار کی آمد بھی عجب ہے

پھاگن ہے خنک چاندی ہے سامنے رب ہے
یہ رات غزل کے لیے معراج کی شب ہے

اس شہر میں جو مجلسِ یارانِ ادب ہے
درویشوں کا حلقہ ہے، فقیروں کا کلب ہے

ہر ملگجے ٹیلے پہ ترے سینکڑوں جلوے
تو ایک کہاں تُو تو کئی لاکھ ارب ہے

یہ حُسنِ مساوات یہ تقسیم خیاباں
مومن کے لیے قربِ ابوذرؓ کا سبب ہے

باہو کی ترائی میں دلِ زار کا عالم
فردوس کے آغوش میں صحرائے عرب ہے

تعریفِ ارم مجھ کو بھی معلوم ہے لیکن
مَیں شاعرِ مولا ہوں مجھے پاسِ ادب ہے

دکھڑوں کی پھواروں میں چٹکتی ہے فقیری
افضل غمِ ایام بھی اجمیرِ طرب ہے

احمد فراز

○

یہ فاصلہ جو پڑا ہے مرے گماں میں نہ تھا
کہ اب کی بار زمانہ بھی درمیاں میں نہ تھا

کوئی بھی نظمِ چمن ہو یہ ہم نے دیکھا ہے
سحر کا نغمہ سرا، شام، آشیاں میں نہ تھا

کہ جس کے ہاتھ میں پتھر کماں میں تیر نہ ہو
کوئی بھی ایسا مرے شہرِ مہرباں میں نہ تھا

کڑکتی دھوپ میں خلقت تھی گوش بر آواز
بجز خطیب مگر کوئی سائباں میں نہ تھا

تجھی سے بات چلی اور تجھی پہ ختم ہوئی
ترا ہی نام مگر ساری داستاں میں نہ تھا

دشت نامرادی میں ساتھ کون تھا کس کے
مرثیے سناتی ہے، شہر کی ہوا کس کے

ہم تو کل نہیں ہوں گے دیکھنا کہ محفل میں
اب سخن سناتا ہے، یارِ بے وفا کس کے

عہدِ ہجر میں یارو سب کے حوصلے معلوم
دل پہ ہاتھ تھا کس کا، لب پہ تھی دعا کس کے

کل صلیب گر جو تھا کل صلیب پر جو تھا
آج نام لیوا ہیں لوگ جا بجا کس کے

اب فرازؔ تجھ پر بھی اعتبار کیا کیجے
انتظار تھا کس کا، ساتھ چل پڑا کس کے

ظہیر کاشمیری

○

اب ہے کیا لاکھ بدل چشمِ گریزاں کی طرح
مَیں ہوں زندہ تیرے ٹوٹے ہوئے پیماں کی طرح

کوئی دستک، کوئی آہٹ نہ شناسا آواز
خاک اڑتی ہے درِ دل پہ بیاباں کی طرح

تو مری ذات، مری روح، مرا حسنِ کلام
دیکھ اب تُو نہ بدل گردشِ دوراں کی طرح

میں نے جب غور سے دیکھا تو وہ پتھر نکلا
ورنہ وہ حُسن نظر آتا تھا انساں کی طرح

ابھی کچھ کارِ محبت ہے مجھے دنیا میں
زندگی ختم نہ ہو صحبتِ یاراں کی طرح

برق بن کر مرے خرمن کو جلانے والے
تو ہی برسا تھا کبھی ابرِ بہاراں کی طرح

ظہور نظر

○
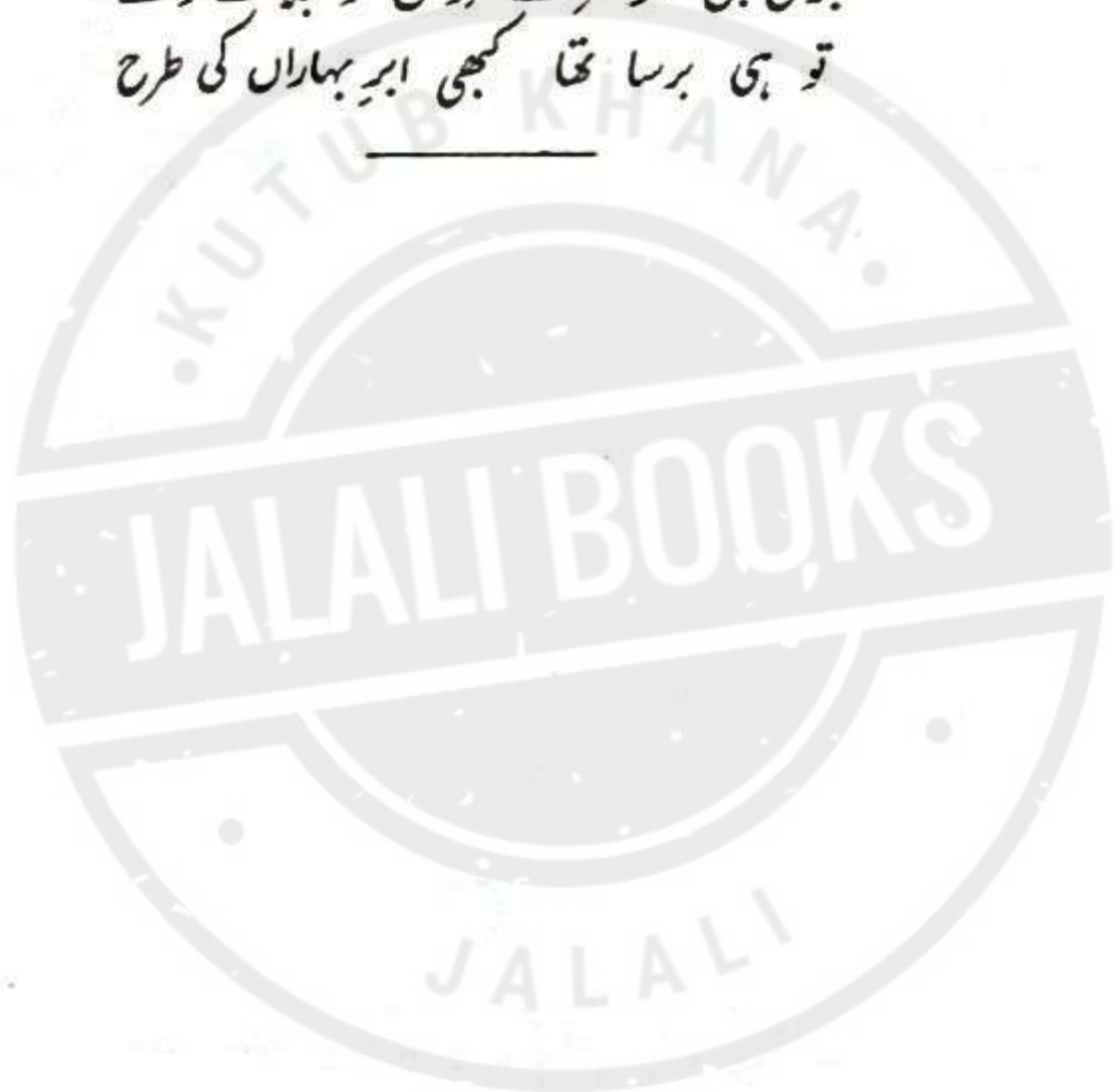
پاؤں جس دم بھی بڑھے ہیں تری محفل کی طرف
ہاتھ بے ساختہ اٹھتے ہیں مرے دل کی طرف

خاص ویراں تو نہیں منظرِ ساحل ، اب بھی
کشتیاں ڈوبنے آجاتی ہیں ساحل کی طرف

سر پہ آپہنچا تو معلوم ہوا خلقت کو
مَیں نے کیا کیا نہ اشارے کیے قاتل کی طرف

ہاتھ خنجر پہ نہ دھر، خون نہ آنکھوں میں اتار
سنگ دل دیکھ تو لے مدِ مقابل کی طرف

رفتگاں راہ میں کیا چھوڑ گئے ہیں لکھ کر
لوگ کیوں ڈرتے ہیں جاتے ہوئے منزل کی طرف

بھاگ کر جان بچانے کی جو ٹھانی تو کھلا
راستے جاتے ہیں سب کوچۂ قاتل کی طرف

پھیر کر منہ نہ کرو رقص کی لے پر تنقید
اک نظر دیکھ تو لو چہرۂ بسمل کی طرف

قتیل شفائی

○

غمِ ہجر سے نہ دل کو کبھی ہم کنار کرنا
میں پھر آؤں گا پلٹ کر مِرا انتظار کرنا

مجھے ڈر ہے میرے آنسو تیری آنکھ سے نہ چھلکیں
ذرا سوچ کر سمجھ کر مجھے سوگوار کرنا

اُسے ڈھونڈ سب سے پہلے جو ملا نہیں ہے تجھ کو
یہ ستارے آسماں کے کبھی پھر شمار کرنا

ترے شہر کی فضا میں کوئی زہر بھر گیا ہے
ترے حُسن پر ہے لازم اِسے خوشگوار کرنا

مَیں اُٹھاؤں گا نہ احساں ترے بعد نا خدا کا
مجھے تُو نے ہی ڈبویا مجھے تو ہی پار کرنا

یہی رہ گیا مداوا مری بدگمانیوں کا
ترا مسکرا کے ملنا، مرا اعتبار کرنا

مرے بدنصیب واعظ تری زندگی بھی کیا ہے
نہ کسی سے دل لگانا، نہ کسی سے پیار کرنا

کبھی اقتدار بخشے جو خدا قتیلؔ تجھ کو
جو روش ہے قاتلوں کی وہ نہ اختیار کرنا

احمد ندیم قاسمی

○

طے کروں گا یہ اندھیرا مَیں اکیلا کیسے
مرے ہمراہ چلے گا مرا سایہ کیسے

میری آنکھوں کی چکا چوند بتا سکتی ہے
جس کو دیکھا ہی نہ جائے اُسے دیکھا کیسے

چاندنی اس سے لپٹ جائے ہوائیں کھیلیں
کوئی نہ سکتا ہے دنیا میں اچھوتا کیسے

مَیں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں کہ وہ پوچھ نہ لے
یہ اگر ضبط کا آنسو ہے تو ٹپکا کیسے

یاد کے قصر ہیں ، امید کی قندیلیں ہیں
میں نے آباد کیے درد کے صحرا کیسے ؟

اس لیے صرف خدا سے ہے تخاطب میرا
میرے جذبات کو سمجھے گا فرشتہ کیسے !

ذہن میں نت نئے بت ڈھال کے یہ دیکھتا ہوں
بت کدے کو وہ بنا سکتا ہے کعبہ کیسے

گر سمندر ہی سے دریاؤں کا رزق آتا ہے
اُس کے سینے میں اتر جاتے ہیں دریا کیسے !

مَیں تو ہر سانس میں آجاتا ہوں فردا کے قریب
پھر بھی فردا مجھے دے جاتا ہے دھوکا کیسے !

لوگ جو خاکِ وطن بیچ کے کھا جاتے ہیں
اپنے ہی قتل کا کرتے ہیں تماشا کیسے !

جو میرے دستِ مشقّت کے ہیں محتاج ندیمؔ
چھین لیتے ہیں مرے منہ کا نوالہ کیسے !

احسان دانش

جن کو بہبود کے امکان سمجھائے ہم نے
ان سے نقصان ہی نقصان اٹھائے ہم نے

اب جہاں دھول اڑاتے ہیں ہوا کے جھونکے
پھیلے دیکھے ہیں اسی راہ میں سائے ہم نے

پاسِ دنیا سے نمی تک نہیں پلکوں کو نصیب
کر دیئے خوف سے آنسو بھی پرائے ہم نے

قافلہ جیسے اجالوں کا یہیں اترے گا
وقت سے پہلے چراغ اپنے بجھائے ہم نے

عشقِ شیریں میں تو فرہاد نے کاٹے ہیں پہاڑ
قصرِ پرویز پہ تیشے نہ اٹھائے ہم نے

مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ
اپنے خورشید پہ پھیلا دیئے سائے ہم نے

سینۂ سنگ سے دیکھی ہیں نکلتیں شاخیں
پھر بھی میزوں سے نہ آئینے ہٹائے ہم نے

زندگی کو کسی استر کی ضرورت تو نہ تھی
پھر بھی دنیا سے بہت راز چھپائے ہم نے

فیض احمد فیضؔ

○

لکھا ہے کوئی حرف نہ دل شاد کیا ہے
خامے کی زباں سے نہ مجھے یاد کیا ہے

سو خاطرِ ویراں ہے ترے نالے کیے مَیں نے
اور تو نے نہ اک بار مجھے یاد کیا ہے

قسمت سے ہو گر وصل میسّر تو سناؤں
مجھ پہ جو ستم اے ستم ایجاد کیا ہے

اے تو کہ بھلا بیٹھا ہے غم خواریٔ بیرم
لکھا ہے کوئی حرف نہ دل شاد کیا ہے

(بیرم خاں خانخاناں کی غزل کا ترجمہ)

○

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوفِ خدا گیا
وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیالِ روزِ جزا گیا

جو نفس تھا خارِ گلو بنا جو اُٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے
وہ نشاطِ آہِ سحر گئی وہ وقارِ دستِ دعا گیا

جو طلب پہ عہدِ وفا کیا تو وہ رسمِ عہدِ وفا گئی
سرِ عام جب ہوئے مدّعی تو وہ ثوابِ صدق و صفا گیا

نہ روِش وہ ابرِ بہار کی نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا
جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاجِ بادِ صبا گیا

ابھی بادبان کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رُخِ وفا
کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا

خدا جانے کہ میں کیسے دمِ دیدار رقصاں ہوں
مگر قسمت پہ نازاں ہوں کہ پیشِ یار رقصاں ہوں

تو ہے نغمہ سرا ہر دم تو میں ہر بار رقصاں ہوں
تو جس بھی طرز پر چاہے اسی پر یار رقصاں ہوں

سراپا بے خودی سے ہوں میں اپنے آپ پر قرباں
میں گرداگرد اپنے صورتِ پرکار رقصاں ہوں

تو وہ قاتل کہ نظارے کی خاطر خوں کرے میرا
مَیں وہ بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار رقصاں ہوں

تماشا دیکھ جاناں آ کے در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار رقصاں ہوں

اگرچہ قطرۂ شبنم نہ ٹھہرے خار پر اِک پل
ہوں میں وہ قطرۂ شبنم بہ نوکِ خار رقصاں ہوں

مَیں ہوں عثمان ہارونی ہوں میں منصور کا ساتھی
ملامت کر رہی ہے خلق میں بر دار رقصاں ہوں

(عثمان ہارونی کی غزل کا ترجمہ)

تصاویر

منتظمین

شعرائے کرام

سامعین

سرپرست مشاعرہ کمیٹی

ڈی ۔ جے ۔ فین

چیئرمین، و منیجنگ ڈائرکٹر رفحان میظ کمپنی لمیٹڈ

ارکان مشاعرہ کمیٹی

محمد احسن

انظم خان ۔ شاہد اقبال ۔ محمد یوسف ملک

محمد نسیم
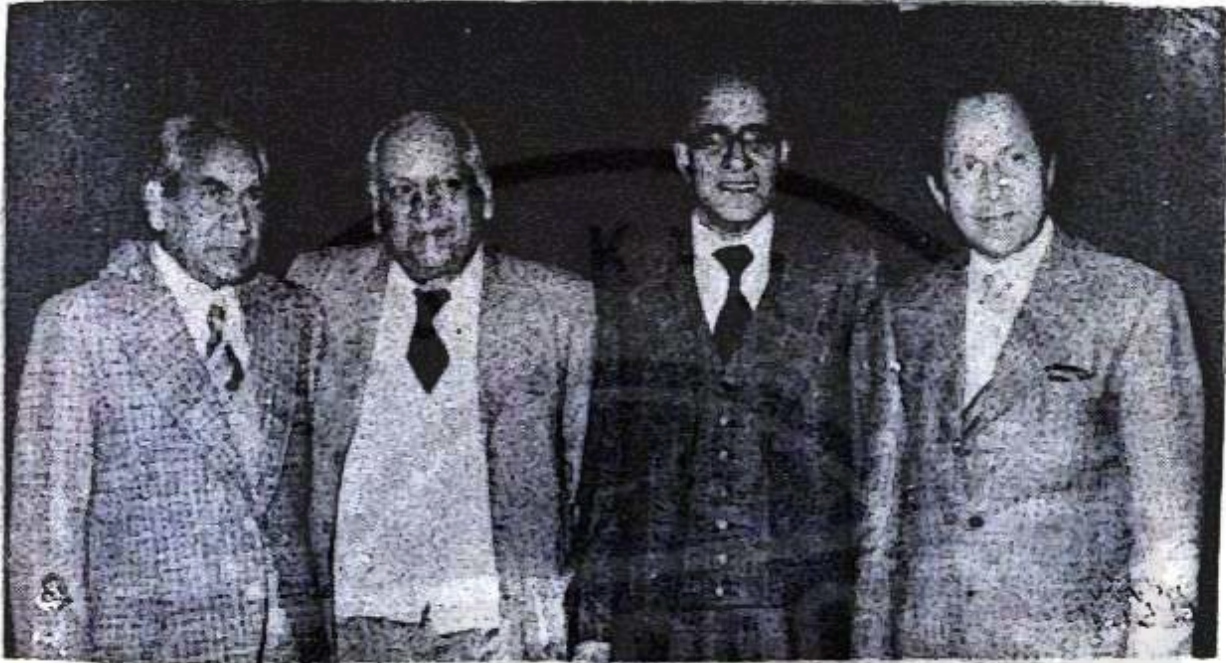
قتیل شفائی - احمد ندیم قاسمی - فیض احمد فیض - احمد راہی

ریاض مجید - عطا شاد - حزیں لدھیانوی - افتخار عارف - فیض احمد فیض - احمد فراز - مسعود مختار - محسن احسان

حزیں لدھیانوی ۔ افتخار عارف ۔ فیض احمد فیض ۔ احمد فراز ۔ محسن احسان ۔ قتیل شفائی

ریاض مجید ۔ احمد ندیم قاسمی ۔ فیض احمد فیض ۔ احسن زیدی ۔ انور محمود خالد

اقبال ساجد۔ظفراقبال۔احمد راہی ۔احمد ندیم قاسمی ۔ظہیر کاشمیری قتیل شفائی۔ اسرار زیدی۔ محمد یوسف ملک

احمد فراز - ریاض مجید - فیض احمد فیض -مسعود مختار
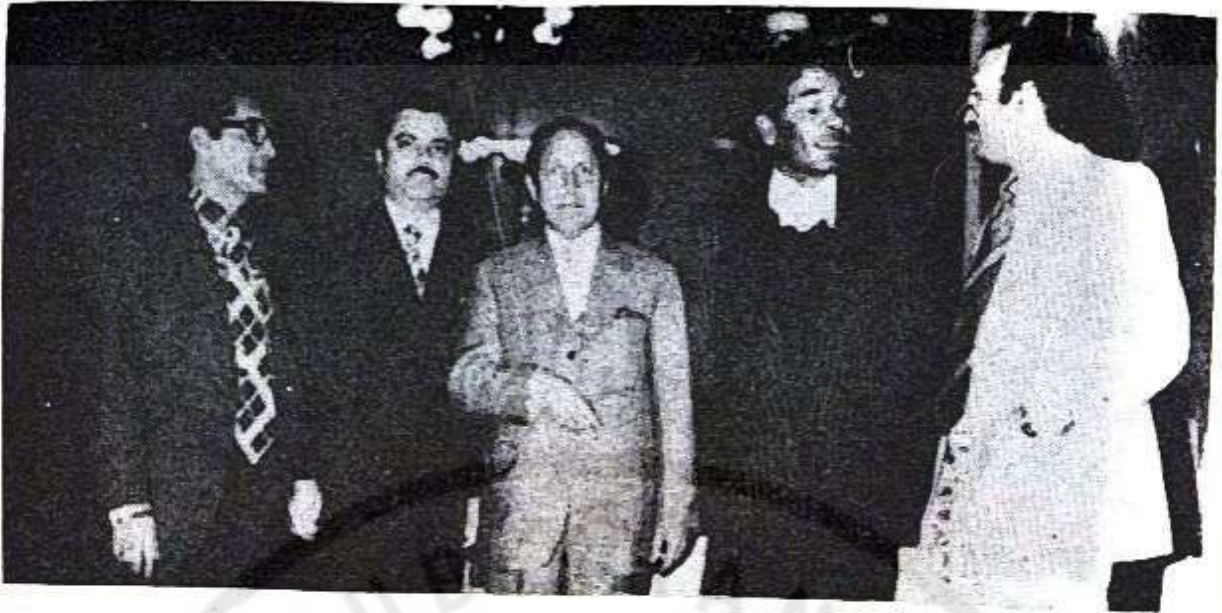
محمد یوسف ملک ۔ مرتضیٰ برلاس ۔ قتیل شفائی ۔ شاہد اقبال ۔ اعظم خان

محسن احسان ۔ امجد اسلام امجد ۔ مدیم ہاشمی ۔ احمد ندیم قاسمی ۔ ریاض مجید

سامعین

تاثرات

رفحان کا مشاعرہ حسن انتظام، انتخاب شعراء کے سلسلے میں مشاعروں کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے بڑی محنت کی میری مبارکباد قبول کریں۔

سیّد ضمیر جعفری

یہ کل پاکستان مشاعرہ ایک یادگار مشاعرہ ہے اس میں تمام مکتبۂ فکر کے نمائندہ شعراء نے شمولیت فرماکر اس مشاعرہ کو "لافانی یادگار" کی حیثیت دے دی ہے۔

محمود شارب

آپ نے ایک ایسی محفلِ سخن کی روایت قائم کی ہے جو پورے پاکستان کے شعراء کی نمائندگی کرتی تھی۔ اور اس اعتبار سے اُس میں ایک روح اتحاد کار فرما تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسی خلوص کے باعث یہ محفل ایک یادگار اور کامیاب محفل تھی۔

انور مسعود

مشاعرے کی روایت تقریباً ختم ہوتی جارہی ہے۔ اب آپ سے اہلِ ذوق ہی کے دم سے برِّصغیر کی یہ عظیم تہذیبی اور ثقافتی روایت زندہ رہ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حسین سحر

مشاعرہ ہر اعتبار سے بے حد کامیاب تھا ۔ رفحان کی سلور جوبلی پر شعرائے کرام کی شرکت رفحان کی مقبولیت کی دلیل ہے اس میں پاکستان کے تمام نامور اور ممتاز شعراء نے تعاون کیا اور مشاعرے کو بہت کامیاب بنایا ۔ میں سمجھتا ہوں یہ آپ کے خلوص اور محبت کا نتیجہ ہے کہ شعراء کی اتنی بڑی تعداد ملک کے مختلف گوشوں سے جمع ہوئی اور ایک یادگار ادبی تقریب کا اہتمام ہوا ۔ مجموعی اعتبار سے یہ مشاعرہ یادگار ہے اور فیصل آباد کی ادبی تاریخ میں اس کا تذکرہ یقیناً ناگزیر ہے ۔

محسن احسان

فیصل آباد میں آپ نے اور آپ کے احباب نے جس انداز کا مشاعرہ کیا ، اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے ۔ اس زمانے میں اتنے اچھے مشاعرے کم ہی ہوتے ہیں ۔ اس کے علاوہ حسن انتظام ، پذیرائی ، مہمان نوازی ، ذاتی توجہ اور آپ لوگوں کا خلوص ہمیشہ یاد رہے گا ۔

اطہر نفیس

رفحان انڈسٹریز کا ترتیب کردہ مشاعرہ اس اعتبار سے بے حد قابلِ قدر ہے اس بہانے ہماری ایک اچھی ادبی روایت نئے خون سے ہمکنار ہوئی ہے ۔

امجد اسلام امجد